سیّد حامد

سیّد حامد 7 جنوری 1920ء کو فیض آباد (یو۔پی۔) میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا سیّد محبّ علی، نیورہ، عظیم آباد کے رہنے والے ڈپٹی کلکٹر تھے جو 1857ء کے قریب مراد آباد (یو۔پی۔) میں آ کر بس گئے۔ سیّد حامد کے والد کا نام سیّد محمد صدیق اور والدہ کا محترمہ ستارہ شاہ جہاں بیگم تھا۔ ان کا خاندان اعلا تعلیم یافتہ تھا۔

سیّد حامد کی ابتدائی تعلیم اُناؤ میں ہوئی۔ 1930ء میں ان کا داخلہ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج، مراد آباد میں ہوا جہاں سے 1935ء میں انھوں نے ہائی اسکول کا امتحان اوّل درجے میں پاس کیا اور اسکالرشپ کے مستحق قرار پائے۔ 1937ء میں بی۔اے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے، 1941ء میں انگریزی میں ایم۔اے۔ اور 1947ء میں فارسی سے ایم۔اے۔ کے امتحانات پاس کیے۔ 1943ء میں اسٹیٹ سول سروس کے لیے ان کا انتخاب ہوا۔

25 دسمبر 1950ء کو سیّد حامد کی شادی مشہور انشا پرداز مہدی افادی کی پوتی ثریا حسن بنت احمد حسن سے ہوئی۔ 1951ء میں آئی۔اے۔ایس۔ کے لیے انتخاب ہوا اور مرکزی حکومت کی وزارتِ صنعت وتجارت میں ڈپٹی سکریٹری اور جوائنٹ سکریٹری رہے۔ اس کے علاوہ وہ الٰہ آباد میونسپل کارپوریشن میں ایڈمنسٹریٹر، ہاؤسنگ کمشنر، جوائنٹ سکریٹری، پلاننگ کمیشن، وزارت مواصلات میں ایڈیشنل سکریٹری رہے۔ وہ اسٹاف سلیکشن کمیشن کے بانی اور چیرمین بھی رہے۔ جون 1980ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے اور مارچ 1985ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 1983ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1986ء سے 1991ء تک انجمن ترقی اردو کے صدر رہے۔ ان دنوں جامعہ ہمدرد کے چانسلر ہیں۔

سیّد حامد کی تعلیمی زندگی بہت شاندار رہی۔ تعلیم کے علاوہ کھیل کی دنیا میں بھی امتیاز حاصل کیا۔ ہاکی اور ٹینس کے کھیل میں برابر حصّہ لیتے رہے۔ سیّد حامد کی ادبی زندگی بھی بے حد فعّال رہی۔ شاعری اور ترجمے کے علاوہ انھوں نے کثیر تعداد میں مضامین لکھے۔ یہ مضامین نہ صرف زبان وبیان بلکہ فکر وخیال کے اعتبار سے بھی بڑے بیش قیمت ہیں۔ اردو میں ان کی کچھ اہم تصانیف ہیں ——— 1- آزمایش کی گھڑی 2- قلم اور قدم 3- قوس قزح (ترتیب) 4- کربِ آگہی 5- لمعات (شعری مجموعہ) 6- مہر وماہ (ترجمہ) 7- نگار خانۂ رقصاں (تنقیدی مضامین) 8- مضامینِ سیّد حامد (دو جلدوں میں)

سیّد حامد

علمی مضمون

شَے لطیف

بچپن میں سنا تھا ''فلاں صاحب میں شَے لطیف کی کمی ہے''۔ ذہن میں یہ تاثر تھا کہ یہ جملہ ایسے شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس میں بھونڈا پن پایا جائے۔ اب اندازہ ہوتا ہے کہ ''شَے لطیف'' سے نہ فکر کی لطافت مراد ہے، نہ اطوار کی نفاست۔ شَے لطیف دراصل تناسب کے احساس کا دوسرا نام ہے۔ کوئی بات کہاں کہنی چاہیے، کس طور پر کہنی چاہیے، اس کا صحیح فیصلہ انسان شَے لطیف کی رہنمائی کے بغیر نہیں کر سکتا۔

آپ کی نظر سے ایسے لوگ گزرے ہوں گے جنھیں اپنی قسمت سے ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ وہ سدا سچّی اور کھری بات کہتے ہیں؛ پھر بھی کوئی اُن کی بات نہیں سنتا۔ لوگ اُلٹے ان کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ جہاں انھوں نے یہ بات شروع کی، لوگوں نے تیوری چڑھائی کہ دیکھیے اب کیا آتا ہے۔ بجائے اُن کی سچّائی کی تعریف اور پذیرائی کرنے کے، لوگ ان کی باتوں سے مکدّر ہونے لگتے ہیں اور بعض تو دشمنی پر اُتارو ہو جاتے ہیں۔ یہ بے محل بولنے والے سوچتے بھی نہیں کہ بات موقع دیکھ کر کرنی چاہیے۔ بے موقع بات جراحت کا سامان بہم پہنچاتی ہے یا استہزا کا۔ جو لوگ سچ بات کہہ کر بغیر ارادۂ اصلاح کے، دوسروں کا دل دُکھاتے ہیں، وہ سچّائی کو بدنام کرتے ہیں اور بہتوں کو سچّائی سے بدگمان کر دیتے ہیں۔ بات شروع کرتے وقت یہ تو سوچ ہی لینا چاہیے کہ اس بات کا اثر کیا ہوگا؟ اگر بات کا اثر بُرا ہونے کا ڈر ہے تو بات کی ہی کیوں جائے؟ کیا صرف اس وجہ سے کہ وہ زبان پر آ گئی ہے یا اس بنا پر کہ حقیقت بے نقاب ہونے کے لیے بے تاب ہے۔ کسی شخص نے کوئی غلط قدم اٹھایا اور آپ نے اسے برملا بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تو کیا نتیجہ ہوگا؟ وہ ضد پکڑ جائے گا اور اپنے دل میں آپ کے لیے کدورت یا عداوت کو جگہ دے دے گا۔ آپ چلے تھے اصلاح کرنے، اس کے بجائے آپ نے مخاطب کو، اس کی غلطی کو، اس کی غلطی میں راسخ کر دیا اور اسے اپنا دشمن بھی بنا لیا۔

آپ کسی سے ملنے گئے۔ اس کے اختیار میں ہے کہ آپ کا کام بن جائے۔ لیکن آپ سوال کے بجائے چھوٹتے ہی مطالبہ کرنے لگے، حکم دینے لگے، جھگڑنے لگے تو اس کا اختیار تمیزی جو آپ کے مسئلے کو حل کرنے میں صرف ہوتا ہے، اسے اُلجھانے میں لگا دیا جائے گا۔ بات کرنے کا ڈھنگ زندگی کی اہم ترین چیزوں اور کامیابی کے اہم ترین وسائل میں سے ہے۔ اگر ڈھنگ مناسب ہے تو بات بن جائے گی؛ ناروا ہے تو بات بگڑ کر رہے گی۔

کس وقت بات کرنی چاہیے اور کس وقت دم سادھ لینا چاہیے، اس کا فیصلہ ہمیں روز کرنا پڑتا ہے۔ صحیح فیصلہ احساسِ تناسب کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ کو اپنے افسر سے شکایت ہے؛ آپ اس کا ذکر جا بہ جا کرتے پھرتے ہیں۔ گویا شکایات کے دو چند ہو جانے کا بہ نفسِ نفیس انتظام کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے، آپ کے کلمات موصوف تک پہنچ جائیں گے،

''مناسب'' یعنی نامناسب اضافوں کے ساتھ۔ اس سے بہتر ہوتا کہ آپ موصوف سے خود بات کر لیتے اور بات کرتے ہوئے اس احساس کا اظہار کر دیتے کہ انھیں آپ کی خوش حالی اور آپ کے مستقبل میں دل چسپی ہے اور اس امید کو زبان دیتے کہ آپ کو ان کی ہمدردی پر اعتماد ہے۔ یاد رکھیے کہ ہر انسان ان توقعات کو جو دوسروں کو اس کے متعلق ہیں، پورا کرنے کی کچھ نہ کچھ کوشش ضرور کرتا ہے۔ جس مسئلے میں آپ نے کسی دوسرے کو ابتدا ہی سے شریک کر لیا، وہ مسئلہ آپ کی طرح خود اس کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ بات یہاں بھی نہیں رُکتی۔ ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ ہر فرد ان توقعات کو بھی جو خود اُسے اپنی ذات سے ہیں، پورا کرتا ہے یا اس دِشا میں آگے بڑھتا ہے۔ جبھی تو کہتے ہیں کہ اپنے پیشے کو شکستوں کی یاد یا ہار کے تصوّر سے گرد آلود نہ کرو۔ ناکامیوں اور نااہلیوں کو بھول جاؤ اور اپنی کامیابیوں اور کارگزاریوں کو یاد رکھو۔ اس طرح تم اپنے پیشے میں آب و رنگ بھر دو گے جو تمھارے اندر اعتماد اور افتخار پیدا کر کے تم سے بڑے بڑے کام کرا لے گی۔ جیسے جیسے نئی کامیابیاں تمھیں حاصل ہوں گی، پُرانی ناکامیوں کی یاد خزاں کے پتوں کی طرح جھڑتی چلی جائے گی اور نئی کامیابیاں بہار کی کونپلوں کی طرح حافظے میں پھوٹ کر نکلیں گی۔ تمھارا تصوّر تمھارے متعلق جو پیکر بنائے گا، اس میں ولولہ، اعتماد، قوت تسخیر جلوہ گر ہوگی۔ ناکامیابیوں اور شکستوں کے اسباب کا جلد ہی تجزیہ کر کے اُن کی حوصلہ شکن یاد کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دو۔

جو لوگ شیخی کے عادی ہیں یا خود ستائی سے باز نہیں آتے، وہ بھی انھیں محروموں میں سے ہیں، 'شے لطیف' جن سے کترا کر نکل گئی۔ مان لیجیے کہ آپ افلاطون ہیں مگر اس شخص کو جس سے آپ بات کر رہے ہیں، آپ کے افلاطون ہونے سے کیا سروکار۔ اُس کے پاس اس یاوہ گوئی کو سننے کے لیے وقت کہاں۔ آپ ڈینگ لیں گے تو شروع میں وہ آپ کی سادگی پر مسکرائے گا لیکن جلد ہی اُکتا جائے گا اور آپ کی صحبت سے گریز کرنے لگے گا۔ آپ اگر واقعی افلاطون ہیں تو آپ کو خود اس کا اعلان کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ کی دانش مندی سورج کی کرنوں کی طرح دنیا میں پھیل جائے گی۔

ایک گروہ اُن اشخاص کا ہے جو اپنی تعریف تو نہیں کرتے لیکن اپنا اور اپنے گھر والوں کا ذکر کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ یہ خیال ان کے دماغ پر اپنا سایہ نہیں ڈال پاتا کہ آپ کے گھرانے کے متعلق دوسروں کو دل چسپی کیوں ہونے لگی اور ان لوگوں کی تو سماج میں کمی نہیں جو آپ کے پاس آ کر گھنٹوں بیٹھ جائیں گے اور باتیں کیے جائیں گے یا خاموش بیٹھے رہیں گے۔ دونوں صورتوں میں انھوں نے آپ کا وقت خراب کیا؛ آپ کے سکونِ خاطر کو برہم کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اپنی صحبت کا شرف بخش کر وہ آپ پر احسان کر رہے ہیں۔ حالاں کہ دراصل انھوں نے آپ کو عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں کو انگریزی میں ''بور'' کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ''شے لطیف'' کا انتساب ناممکن ہے۔

اور ایسے لوگ بھی ہمیں اپنے اِرد گرد مل جائیں گے جو شیخی مارنے کے بجائے اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔ یعنی اپنی کم مائگی اور نااہلی کا وقت ناوقت اعلان کرتے ہیں۔ انھیں کُھرچ کر دیکھیے تو پتا چلے گا کہ اپنی ذاتِ گرامی کے متعلق انھیں دل ہی دل میں ہزاروں خوش فہمیاں ہیں اور یہ خوش فہمیوں کی طغیانی ہے جو انکسار کا بہروپ بھر کر زبان پر آتی ہے۔ گویا اپنے افتخارِ ذاتی کو اس عنوان برہنہ ہونے سے بچایا جا رہا ہے۔ بعض مبصّرین اس انکسار میں دعوتِ ستایش کو کروٹ لیتے ہوئے

دیکھتے ہیں۔ موصوف کے پاس صرف ایک صورت ستایش حاصل کرنے کی ہے، اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنا، نیچا دکھانا، ذرّہ ناچیز بتانا۔ مخاطب کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ موصوف جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس کی تردید کرے اور ان کی تعریف کے پُل باندھے تاکہ محترم کی تفریط اور اس کی افراط سے ایک اوسط نکل آئے جو حقیقت کے قریب تر ہو یا کم از کم مخاطب پر یہ الزام نہ آئے کہ محترم اپنی جو ہجو کر رہے ہیں، وہ اس میں برابر کا شریک ہے۔ بہرحال یہ انکسار جھوٹا انکسار ہے، پُرفریب انکسار ہے اور اس کا شمار خصائل حمیدہ میں کرنا فریب کھانے والوں کے لیے بھی دشوار ہے۔ جھوٹے انکسار سے پُرخلوص ڈینگ بہتر ہے۔ 'شَے لطیف' کا پہرہ جہاں ہٹا، اس طرح کے نفسیاتی آسیب دل و دماغ میں داخل ہو جاتے ہیں اور زبان کے میدان میں آ کر دادِ شجاعت دیتے ہیں۔

یوں تو ''شَے لطیف'' کی کمی اپنے اظہار کے لیے زبان کی محتاج بھی نہیں۔ اس کے ناگفتہ کرشمے بھی کوئی کم نہیں۔ بے محل اور بے موقع کام بھی لوگ ناحق کر گزرتے ہیں۔ جو بات کسی موقعے پر نہ کہنی چاہیے، جو کام کسی موقعے پر نہیں کرنا چاہیے، وہی کرتے ہیں اور سب کو خفت، پشیمانی اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرتے ہیں۔

زندگی کا تجربہ جتنا وسیع ہوتا ہے اور انسانوں کے باہمی تعلقات اور ان کے ردِّ عمل کے تجزیے کا موقع جس قدر ملتا ہے، اسی قدر یہ بات کھلتی جاتی ہے کہ انسان کے لیے تناسب کا احساس بے حد ضروری وصف ہے۔ اگر یہ نہ ہوگا تو وہ ہر قدم پر ٹھوکریں کھائے گا اور زندگی کے صحرا میں بھٹکتا رہ جائے گا۔ یہ دنیا اتنی وسیع، یہ زندگی اتنی پیچیدہ، یہ تجربات اتنے گوناگوں اور حالات کی صورتیں باہم دگر، اس قدر مختلف اور باہمی روابط اتنے نازک اور افراد کی انا اس قدر استیلا طلب اور مختارات اتنے وافر، راہیں اتنی کثیر اور کسی ایک لمحے میں کچھ کہنے یا کرنے کے امکانات اس قدر متنوع ہوتے ہیں کہ تناسب کا احساس اگر رہنمائی اور یاوری نہ کرے تو فرد ٹکرا ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، بھٹکتا رہے اور جیوں جیوں آگے بڑھے، منزل سے دور ہوتا چلا جائے۔ اس قدر دُور کہ مرکز کی طرف واپس آنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ مرکز سے دور ہونے کا انجام کیا ہے، پارہ پارہ ہو جانا، بکھر جانا۔ یہی انجام اس شخصیت کا ہونا ہے۔ احساسِ تناسب جس کی شیرازہ بندی نہیں کرتا، وہ شخصیت منقسم (Split Personality) شخصیت کی سرحد پر منڈلانے لگتی ہے۔

یہ احساسِ تناسب ہی ہے جو بات کی تہہ تک پہنچاتا ہے۔ ورنہ انسان کے حواسِ خمسہ دماغ کی طرف ہزاروں، لاکھوں تاثرات اور پیغامات بھیجتے رہتے ہیں۔ غریب دماغ ان کے ہجوم سے گھبرا جائے اور اس طرح ہاتھ پانو مارنے لگے جیسے ڈوبتا ہوا انسان موجوں کی یورش میں دیوانہ وار ہاتھ پانو مارتا ہے۔ یہ احساسِ تناسب ہے جو اُن ہزارہا پیغامات میں سے جو حواس دماغ کو بھیجتے ہیں، چند کی طرف دھیان دیتا ہے اور باقی کو تحت الشعور کے گودام میں بھر دیتا ہے۔ اہم اور غیر اہم کا امتیاز، ضروری اور غیر ضروری کی تفریق بلکہ نیک و بد اور حسن و قبح کی تمیز تک بھی احساسِ تناسب یا شَے لطیف کی قلم رَو میں آ جاتی ہے۔ اسی وصف کا تیسرا نام قوتِ انتخاب ہے۔

طالب علموں کے لیے احساسِ تناسب کو آزمانے اور اس پر سان رکھنے کا ایک موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ امتحان

میں ایک طویل عبارت دے دی گئی اور کہا گیا کہ اس کا خلاصہ (Precis/Synopsis) لکھو، اس کا لبِّ لباب بتاؤ۔ جواب سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ امتحان دینے والے میں تناسب کا احساس کس حد تک ہے۔ کس پایے کا ہے۔

زندگی میں ہر قدم پر فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔ یعنی کئی راہوں، کئی مختارات میں سے ایک کو چننا پڑتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے کے لیے ایک ثانیہ سے زیادہ سمے نہیں ملتا۔ زندگی کے امتحان میں جو پرچہ آپ کو آئے دن بلکہ متواتر کرنا پڑتا ہے، وہ سیکڑوں کثیر الانتخابی (Objective Question of Multiple Choice Type) معروضی سوالات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر آپ کو قدرت نے ''شَے لطیف'' سے نوازا ہے، اگر آپ کو احساسِ تناسب کی دولت ملی ہے تو آپ زندگی کے اس امتحان میں پورے اتریں گے ورنہ اس بحرِ ذخّار میں بے سمت وارادہ غوطے کھاتے رہیں گے۔ 'شَے لطیف' بالکل نہ ہو تو مَرض لاعلاج ہے! تھوڑی بہت ہو تو اس کو بڑھایا اور سنوارا جاسکتا ہے۔ جس طرح طالبِ علم مشق کے بعد لبِّ لباب یا خلاصہ بہتر لکھنے لگتا ہے اسی طرح انسان محنت اور ممارست کے ذریعہ اپنے شَے لطیف اور احساسِ تناسب کی گیرائی اور گہرائی کو فروغ دے سکتا ہے۔ شَے لطیف کی کمی جہاں دوسروں کے لیے حظ کا سامان فراہم کرتی ہے وہاں محرومین کے لیے ناکامیوں کی ضمانت لے لیتی ہے۔ شَے لطیف کی کمی ہو تو انسان پر غلط بات کرنے اور صحیح بات غلط وقت پر یا غلط ڈھنگ سے کرنے اور غلط فیصلہ کرنے اور غلط قدم اٹھانے کا پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

شَے لطیف، احساسِ تناسب، صلاحیتِ انتخاب، قوتِ فیصلہ، قوتِ ممیّزہ ایک ہی وصف کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان میں سے ایک کو مانجھیے تو باقی سب پر جلا آتی ہے۔ ایک کو غذا دیجیے تو باقی سب کو توانائی ملتی ہے۔ ایک کی مشق کیجیے تو یہ ہم رشتہ قوتیں بھی چمک جاتی ہیں۔ شَے لطیف کو نازک نہ سمجھیے۔ اس میں بہت جان ہے۔ اسے نہر جانیے، یہ اسی سرچشمے سے نکلی ہے جہاں سے بڑی بڑی ندیاں پھوٹی ہیں جو انسان کو سیراب کرتی ہیں، اسے تناور درخت بناتی ہیں۔ اس کی شخصیت کو پروان چڑھاتی ہیں اور احتسابات کے قصر کے لیے امکانات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ باقاعدگی، ترتیب، انضباط یہ سب اسی بنیادی وصف کی دین ہیں۔ بظاہر چھوٹی سی یہ صفت کتابِ زندگی کی شیرازہ بند ہے۔ شَے لطیف اعتدال کے راستے پر چلاتی ہے۔ جو لوگ اعتدال سے عادتاً تجاوز کرتے ہیں انھیں شَے لطیف سے کوئی سروکار نہیں۔ شَے لطیف سلیقے کا سبق دیتی ہے۔ قرینہ سکھاتی ہے۔ سلاست روی کی چال چلواتی ہے۔ زندگی کے بحری سفر میں اس کی حیثیت قطب نما کی ہے۔

لفظ و معنی

شَے لطیف - باریک چیز، نازک چیز
لطافت - عمدگی، نرمی، پاکیزگی
نفاست - عمدگی، خوبی، صفائی
مکدّر - گدلا، میلا، ناراض
جراحت - گھاؤ، زخم

استہزا – ہنسی، مذاق

برملا – سب کے سامنے کھلم کھلا

کدورت – دل کا مَیل، کینہ

راسخ – مضبوط، پختہ

بہ نفسِ نفیس آنا – خود سے چل کر آنا

موصوف – وصف کیا ہوا، ممدوح، وہ جس کی توصیف/تعریف کی جائے

گرد آلود – گرد، دھول سے بھرا ہوا

افتخار – فخر، عزّت، گھمنڈ

پیکر – شکل وصورت، چہرہ، جسم

قوتِ تسخیر – جیت لینے کا ہنر، طاقت

جلوہ گر – جلوہ دکھانے والا

حوصلہ شکن – ہمّت توڑنے والا

خودستائی – اپنی تعریف آپ کرنا

دانش مندی – عقل مندی، دانائی

طغیانی – اُٹھان

انکسار – عاجزی، کمتری، عجز

ذرّۂ ناچیز – معمولی آدمی، کسرِ نفسی یا انکسار کے اظہار کے طور پر خود اپنی ذات کے لیے بولا جاتا ہے۔

خصائلِ حمیدہ – اچھی عادتیں

دادِ شجاعت – بہادری، دلیری

دادِ شجاعت دینا – جنگ میں دلیری سے لڑنا

خِفّت – شرمندگی، ندامت

پشیمانی – افسوس، ندامت

استیلا – غلبہ، تسلّط

مختار – مالک، اختیار والا، صاحبِ اختیار

وافر – زیادہ، کثیر، کثرت سے

یاوری – مدد، حمایت، دست گیری

شیرازہ بندی – جلد بندی، یکجائی

حواسِ خمسہ	–	پانچ حواس جو قدرت نے ہمیں عطا کیے ہیں: سونگھنے، دیکھنے، سننے، چکھنے، اور چھو کر محسوس کرنے کی صلاحیتیں
یورش	–	حملہ، دھاوا، چڑھائی، یلغار
شعور	–	سمجھ، عقل، تمیز
تحت الشعور	–	شعور سے نیچے، یادداشت کا وسطی درجہ؛ جو باتیں شعور کی سطح پر ہوتی ہیں، وہ ذہن میں حاضر ہیں، جو شعور سے نیچے چلی گئیں، وہ گویا بھولی بسری ہوئیں اور جو یاد کرنے یا یاد دلانے سے پھر شعور کی سطح پر آسکتی ہیں، اس سے نیچے لاشعور کی دنیا ہے جہاں دفن ہوئی یادوں یا باتوں کو واپس شعور کی سطح پر لانا انسان کے اختیار سے باہر ہے
امتیاز	–	فرق، تمیز، شناخت
قبح	–	بُرائی، عیب، نقص
لُبِّ لباب	–	خلاصے کا خلاصہ، اصل مطلب، مغزِ کلام
کثیر الختیارات	–	بہت اختیار والا
بحرِ ذخار	–	بہت بڑا سمندر، بہتا ساگر
مُمارست	–	تجربہ، مشق
حظ	–	مزہ، لطف، لذّت
محرومین	–	محروم لوگ، جنھیں کچھ حاصل نہ ہوا ہو
قوّتِ ممیّزہ	–	بھلے بُرے کو پہچاننے والی قوّت، تمیز کی صلاحیت
تناور درخت	–	گھنا پیڑ، بڑا درخت
اکتساب	–	ذاتی محنت سے حاصل کرنا
قصر	–	محل، ایوان
انضباط	–	پختگی، مضبوطی
شیرازہ بند	–	یکجا، جمع، جزبندی
تجاوز	–	حد پار کرنا، حد سے بڑھنا، بے راہ ہو جانا
قرینہ	–	سلیقہ، ڈھنگ

آپ نے پڑھا

- انسان کے اندر ہزار ہا پوشیدہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ انھی میں سے چند کو وہ اُجاگر کر کے زندگی میں

کامیاب وکامران ہوسکتا ہے۔اس کی پوشیدہ صلاحیتوں میں ایک بڑی صلاحیت کا تعلق تناسب کے احساس سے ہے۔ ہر کام سے پہلے اُسے معلوم ہو کہ یہ کام کا صحیح وقت ہے۔ کب کیا بولنا ہے، کتنا بولنا ہے اور کیا نہیں بولنا ہے، کب خاموش رہنا ہے اور کہاں چیخنا ہے، اس کے لیے موزوں وقت اور حالات کی سمجھ اگر آدمی میں نہ ہو تو اس کی ساری خوبیاں بے کار ہو جاتی ہیں اور اکثر وہ آدمی تماشا بن کر رہ جاتا ہے۔

- سیّد حامد نے کسی شخص کے اندر اسی احساسِ تناسب، وقت اور حالات کی شناخت کو ''شے لطیف'' کہا ہے جس کی کمی کے سبب ہونے والی ناکامیوں کی مثالیں انھوں نے روزمرّہ کی زندگی کے دیکھے بھالے کردار اور واقعات سے فراہم کی ہیں۔
- مضمون نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ دوسروں کی شکایت کرنے والے، اپنی اور اپنے گھر کی تعریف کرنے والے، اپنی نااہلی کے ذکر کے پردے میں دراصل اپنی ستایش چاہنے والے، بے موقع اور بے ڈھنگے انداز سے بات کہہ کر جھنجھلاہٹ اور پریشانی میں ڈالنے والے، اس نوع کے اشخاص ناکام ہو کر زندگی کے صحرا میں بھٹکتے رہ جاتے ہیں اور ان کی شخصیتیں پارہ پارہ اور منقسم ہو کر رہ جاتی ہیں۔
- سیّد حامد کی نثر منطقی، واضح اور شگفتہ ہے۔ اپنی بات متین، نرم اور سنجیدہ انداز میں پیش کرتے ہوئے اُن کا طرزِ استدلال معروضی ہوتا ہے۔ وہ دلیلوں اور سامنے کی مثالوں کا خوب خوب استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی دلیلوں اور مثالوں سے اُن کے وسیع مطالعے اور گہرے مشاہدے کا پتا چلتا ہے۔
- ''شے لطیف'' کی تعریف، اس کی قسمیں اور صورتیں، انفرادی و اجتماعی طور پر اُس کے نتائج نیز اس کے مثبت اور مفید پہلوؤں پر لکھے گئے اس مضمون کا مقصد اصلاحی ہے۔ اسی کی کمی یا اس کے نہیں ہونے کے نتیجے میں انسانی شخصیت ادھوری ہو جاتی ہے اور انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوا ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شے 'بدگمانی' بھی ہے۔ اس کے تماشوں اور نتیجوں کا بیان اسی عنوان سے مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ سیّد حامد کی یہ تحریر حالی کے مضمون کے اصلاحی طرزِ فکر اور دردمندی سے پُر اندازِ بیان سے قریب ہے۔ اس لیے اِسے حالی کی روایت کی ایک قابلِ قدر توسیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپ بتائیے

1- سیّد حامد کہاں پیدا ہوئے؟
2- اُن کی ایک تصنیف کا نام بتائیے؟
3- کیا وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی تھے؟
4- ''ناکامیوں اور نااہلیوں کو بھول جاؤ اور اپنی کامیابیوں اور کارگزاریوں کو یاد رکھو۔'' یہ بات کس نے کہی ہے؟
5- 'شے لطیف' میں ''بحرِ ذخّار'' کس کو کہا گیا ہے؟
6- سیّد حامد کیا کبھی انجمن ترقی اردو کے صدر بھی ہوئے؟

مختصر گفتگو

1- ''شے لطیف'' کی تعریف کیجیے اور اس کی دو مثالیں دیجیے۔

2- سیّد حامد کی نثر کی دو خوبیوں کو ''شے لطیف'' کی روشنی میں واضح کیجیے؟

3- سیّد حامد نے شے لطیف کو چھوٹی سی نہر کیوں قرار دیا؟

4- کامیاب لوگ ''شے لطیف'' سے کیا کام لیتے ہیں؟

5- زندگی کے صحرا میں انسان کیوں بھٹکتا رہ جاتا ہے؟

تفصیلی گفتگو

1- ''شے لطیف'' کی روشنی میں سیّد حامد کے اندازِ فکر پر روشنی ڈالیے۔

2- کسی شخص میں ''شے لطیف'' کے ہونے سے کیا کیا خوبیاں پیدا ہوتی ہیں؟ بتائیے۔

3- ''شے لطیف'' ایک وصف ہے اور اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک پر اظہارِ خیال کیجیے۔

4- ایک مضمون لکھیے جس میں سیّد حامد کی تعلیمی اور ادبی خدمات کا احاطہ ہو۔

5- سیّد حامد کی زبان اور اسلوب کے بارے میں لکھیے۔

6- سچّی اور کھری بات کہنے والے لوگوں کے ساتھ سماج کا کیا رویّہ رہتا ہے؟

آیئے، کچھ کریں

1- سیّد حامد کی تصانیف کی فہرست بنا کر اُن میں جو آپ کو پسند ہو، اُسے لائبریری سے نکال کر پڑھیے اور اس کے اہم نکات کے بارے میں اپنے استاد اور دوستوں سے گفتگو کیجیے۔

2- ''شے لطیف'' میں جو باتیں آپ کو پسند آتی ہیں، ان پر عمل کیجیے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو بتائیے۔ اپنے ساتھیوں سے اس پر گفتگو کرتے ہوئے سارے مشاہدات اپنی کاپی پر لکھ کر استاد کو دکھائیے۔

ناول

دنیا میں ناول کو صنعتی عہد کے فروغ کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ سترہویں صدی کے بعد کی دنیا میں جگہ جگہ ناول نگاری کی ابتدائی کوششیں دکھائی دینے لگی تھیں۔ جرمنی، برطانیہ، فرانس اور روس میں ناول نگاروں کا ایک ایسا سلسلہ سامنے آیا جس سے تھوڑے وقفے میں ہی اس صنف کو اعتبار حاصل ہوگیا۔ 1869ء میں ڈپٹی نذیر احمد نے ''مراۃ العروس'' نام سے قصے کی ایک ایسی کتاب لکھی جسے بعد کے زمانے میں اردو کا پہلا ناول قرار دیا گیا۔ نذیر احمد نے مزید چھے ناول رقم کیے۔ تمام کتابوں میں قصہ گوئی کی تان قوم کی زبوں حالی اور اصلاحِ معاشرہ پر ٹوٹتی ہے۔ شاد عظیم آبادی کے نام سے ''صورۃ الخیال'' شائع ہوا۔ حالی کا ناول ''مجالس النسا'' اور رشیدۃ النسا کا ناول ''اصلاح النسا'' تو پورے طور پر نذیر احمد کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اسی زمانے میں عبدالحلیم شرر اور پنڈت رتن ناتھ سرشار نے ناول نگاری کا قدرے مختلف نگار خانہ سجایا۔ شرر تاریخ کے پردے میں اپنی باتیں کہتے ہیں اور سرشار تہذیب وثقافت اور قدروں کو بنیاد بناتے ہیں۔ اودھ پنچ کے اڈیٹر منشی سجاد حسین کے ناول ''حاجی بغلول''، ''کایاپلٹ'' اور ''میٹھی چھری'' میں ظرافت کے پردے میں سماجی حقائق کا زبردست اظہار ملتا ہے۔ اسی عہد میں قاری سرفراز حسین عزمی کا ناول ''شاہدِ رعنا'' بھی سامنے آیا۔

1898ء میں ''امراؤ جان ادا'' کی اشاعت سے اردو ناول کا عہدِ جدید شروع ہوتا ہے۔ مرزا ہادی رسوا کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے موضوع، تکنیک اور فکر وفن کے برتاو میں اس توازن کا استعمال کیا جس کی وجہ سے شاہ کار تیار ہوتے ہیں۔ ناول کے فن اور تکنیک کے اعتبار سے مرزا رسوا نے جس عہدِ جدید کا خاکا کھینچا، اس کا نقطۂ عروج پریم چند کے ناولوں میں سامنے آتا ہے۔ ''اسرارِ معبد'' سے ''منگل سوتر'' تک پریم چند کے پندرہ ناول ہیں۔ اس تعداد میں ''گئودان'' اور ''میدانِ عمل'' جیسے شہکار بھی شامل ہیں۔ پریم چند کو ہندستان کی قومی تحریک کا وہ پس منظر ملا جس کے سہارے انھوں نے اپنے ناولوں کو اپنے عہد کا نبض پیما بنایا۔ پریم چند کے بعد اور ترقی پسند ناول نگاروں کے بیچ رومانیت کے لہجے کی بازیافت کا دور ہے۔ قاضی عبدالغفار اور مجنوں گورکھ پوری اردو کے دو اہم رومانی ناول نگار ہیں۔

ترقی پسند ناول نگاروں میں سب سے پہلے سجاد ظہیر کا واحد ناول ''لندن کی ایک رات'' 1938ء میں شائع ہوا۔ شعور کی رَو کی تکنیک کا تعارف اردو میں پہلی بار سجاد ظہیر نے اس ناول کے ذریعے کرایا۔ کرشن چندر اور عصمت چغتائی ترقی پسندوں میں خاصے مقبول ناول نگار ہیں۔ ''شکست'' کرشن چندر کا سب سے اہم ناول تسلیم کیا جاتا ہے جس میں فنی

اور ترقی پسندانہ فکر دونوں کا توازن ملتا ہے۔ عصمت چغتائی نے ''ضدی'' ناولٹ سے ابتدا کی لیکن ''ٹیڑھی لکیر'' کی اشاعت نے انھیں اردو کے بڑے ناول نگاروں کی صف میں شامل کیا۔ 1947ء کے آس پاس بڑی تعداد میں ایسے ناول لکھے گئے جن میں ہندستان کی قومی تحریک سے ابھرنے والے مسائل اور تقسیم ملک کے اثرات زیر بحث آئے تھے۔

1959ء میں قرۃ العین حیدر کے ناول ''آگ کا دریا'' کی اشاعت کے ساتھ جو سلسلہ شروع ہوا، وہ پندرہ برسوں تک جاری رہا۔ اُداس نسلیں (عبداللہ حسین)، خدا کی بستی (شوکت صدیقی)، علی پور کا ایلی (ممتاز مفتی)، آنگن (خدیجہ مستور)، تلاشِ بہاراں (جمیلہ ہاشمی)، لہو کے پھول (حیات اللہ انصاری)، ایک چادر میلی سی (راجندر سنگھ بیدی)، بہت دیر کردی (علیم مسرور) اردو ناول کی تاریخ میں اہم ہیں۔ 1988ء میں ''دوگز زمین'' (عبدالصمد)، 1989ء میں ''پانی'' (غضنفر) اور ''مکان'' (پیغام آفاقی) کی اشاعت کے ساتھ پھر سے اردو میں ناول نگاری کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ہم عصر ناول نگاروں میں غضنفر نے سب سے زیادہ ناول لکھے۔ پندرہ برسوں میں ان کے سات ناول سامنے آئے۔ زبان کی سطح پر غضنفر کے یہاں اچھی خاصی تجربہ پسندی ہے۔ عبدالصمد کے ناول دوگز زمین، مہاتما، خوابوں کا سویرا، مہاساگر اور دھمک رفتہ رفتہ انھیں ناول نگار کے طور پر پہچان دلانے میں کامیاب ہوئے۔ مشرف عالم ذوقی نے بھی سرگرمی کے ساتھ ناول لکھے ہیں۔ سیّد محمد اشرف نے 'نمبردار کا نیلا'، انور خاں نے 'یادبسیرے' اور 'پھول جیسے لوگ' لکھ کر اس روایت کو قائم رکھا جس میں اکثر افسانہ نگار ناولوں کی طرف بھی آتے ہیں۔ حسین الحق نے ''بولو مت چپ رہو'' اور ''فرات''، شفق نے ''کانچ کا بازی گر''، ''بادل'' اور ''کابوس''، شموئل احمد نے ''ندی'' اور ''مہاماری'' جیسے ناول لکھے۔ بزرگوں میں اقبال مجید نے 'کسی دن' اور 'نمک' شائع کیے۔ الیاس احمد گدی کا ساہتیہ اکادمی انعام یافتہ ناول 'فائر ایریا' بھی ادبی حلقوں میں پسند کیا گیا ہے۔ ابھی حال میں شمس الرحمان فاروقی نے تہذیبی ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' شائع کرایا۔

رشیدۃ النسا

رشیدۃ النسا کی ولادت غدر سے چند برس پیش تر 1853ء میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام سیّد وحید الدین تھا جنھیں حکومتِ ہند نے شمس العلما اور خان بہادر کے خطابات عنایت کیے تھے۔ سیّد وحید الدین کی تین شادیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی کے بطن سے چار لڑکے اور ایک لڑکی کی پیدایش ہوئی۔ وہی لڑکی رشیدۃ النسا تھیں۔ مولوی امداد امام اثر رشیدۃ النسا کے سوتیلے بھائی تھے۔

رشیدۃ النسا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان گھرانوں میں لڑکیوں کا اسکول میں داخلہ نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لڑکیاں گھر میں پڑھتیں بھی تو انھیں لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا۔ رشیدۃ النسا نے گھر پر ہی سہی، لکھنا اور پڑھنا دونوں سیکھا لیکن وہ کسی اسکول یا مدرسے میں داخل نہیں ہوئیں۔ سنِ بلوغ کو پہنچنے پر ان کی شادی پٹنہ کے مشہور وکیل محمد یحییٰ سے ہوئی جو خود بھی نامی گرامی گھرانے سے تعلّق رکھتے تھے۔

رشیدۃ النسا کو تعلیمِ نسواں سے بے حد دل چسپی تھی۔ اسی شوق کی تکمیل میں انھوں نے 1906ء میں "مدرسہ اسلامیہ" کے نام سے ایک زنانہ مدرسہ کھولا۔ اس کے معائنے کے لیے گورنر بنگال کی بیگم لیڈی فریزر خود پٹنہ آئیں۔ زنانہ مدرسہ اور لیڈی فریزر کا معائنہ اہلِ عظیم آباد کے لیے ایک نادر واقعہ تھا۔ آگے چل کر اسی مدرسے کو بادشاہ نواب رضوی نے بی۔ این۔ آر۔ اسکول کے نام سے منتقل کر دیا اور اسے جائداد عطا کی۔ بتیا کی رانی نے اس اسکول کے لیے ایک مکان بھی عطا کیا جس کی وجہ سے یہ بتیا ہاؤس بھی کہلاتا ہے۔ رشیدۃ النسا کا انتقال جولائی 1931ء میں ہوا۔

رشیدۃ النسا نے مغلیہ تہذیب کا ڈوبتا سورج اور انگریزی حکومت کا عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انھوں نے مسلم گھرانوں خصوصاً عورتوں کی زبوں حالی کا بہ غور معائنہ کیا تھا۔ عورتوں کی جہالت کو وہ اس کا ذمّے دار سمجھتی تھیں۔ لہٰذا معاشرے میں پھیلی توہّم پرستی، غلط عقاید، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کی فضول خرچیوں کو دور کرنے کے لیے انھوں نے ایک ناول "اصلاح النسا" کے نام سے لکھا۔ یہ ناول 1881ء میں لکھا گیا اور پہلی مرتبہ 1894ء میں طبع ہوا۔ اس ناول کی پہلی اشاعت پر ناول نگار کے نام کے بدلے تحریر تھا: "والدہ بیرسٹر محمد سلیمان"۔

"اصلاح النسا" پر ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں "مرأۃ العروس" اور "بنات النعش" کا گہرا اثر ہے اور خود ناول نگار نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ ناول کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ رشیدۃ النسا اپنے عہد کی کیسی روشن خیال خاتون تھیں۔ ان کے اصلاحی جذبے پر سرسیّد تحریک کے اثرات بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

اصلاح النسا

(اقتباس)

محمد معظم نے سوچا کہ بی بی شادی میں بیٹھیں یا نہ بیٹھیں، شادی کا انجام جلد ہی کر دینا ضروری ہے اور بیٹھیں گی کیوں نہیں، یہ صرف دھمکی ہی دھمکی ہے۔ لیکن کوئی انتظام کرنے والا گھر میں نہ تھا، اس لیے محمد معظم کو سخت تردّد پیدا ہوا۔ پھر ان کو خیال آیا کہ حسین گنج سے کریم النسا کو بلوا بھیجیں۔ یہ خیال کر کے کریم النسا کو بلوا بھیجا۔ جب کریم النسا آئیں تو محمد معظم نے کہا کہ بہن، میں نے تم کو جس کام کے واسطے تکلیف دی، وہ یہ ہے کہ تم بسم اللہ کی شادی کا انتظام کرو، سب قصہ کہہ سنایا اور کہا: اگر کر دو گی تو میں ہمیشہ تمھارا احسان مند رہوں گا۔

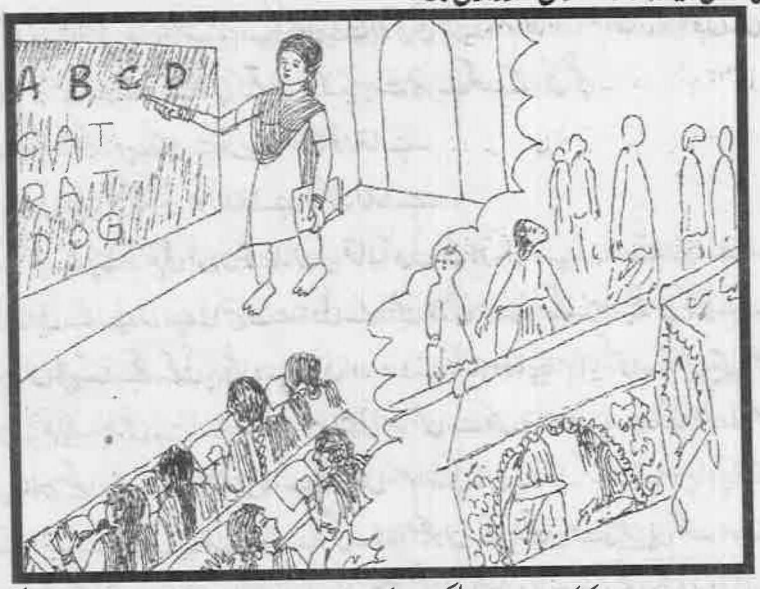

کریم النسا: بھیّا، احسان کی کون بات ہے لیکن بھابھی کا مزاج خراب ہے، وہ بہت ناراض ہوں گی۔ بہتر ہے کہ انھیں کے ہاتھ میں انتظام رہے اور وہ نہ مانیں تو ناچاری ہے۔

محمد معظم: میں یہ نہیں کہتا کہ وہ انتظام نہ کریں، اگر وہ انتظام اپنے ہاتھ میں لیں تو اس سے کیا بہتر ہے۔ مگر وہ کبھی راضی نہ ہوں گی۔

کریم النسا: میں سمجھاؤں؟ شاید مان جائیں۔

محمد معظم (بہن سے مخاطب ہو کر): اچھا تم سمجھاؤ۔ دیکھو اگر راضی نہ ہوں تو تم کو انتظام کرنا ضرور ہوگا۔ دیکھو سوائے تمھارے میرا کون ہے جو کرے گا۔ تم سامان شروع کر دو، ان کے بکنے کا خیال مت کرو۔

کریم النسا: پھر مجھے کیا عذر ہے، جو کہیے گا بہ سر و چشم بجالاؤں گی۔

جب محمد معظم بہن سے کہہ سن کر باہر چلے گئے تو کریم النسا نے بھاوج کو سمجھانا شروع کیا، بہت سمجھایا، مگر وہ کب کسی کی بات ماننے والی تھیں۔ میاں اور بیٹی کو کوسنے لگیں۔ کریم النسا مصلحت سمجھ کر چپ ہو رہیں۔ اب محمد معظم نے شادی کا سامان کرنا شروع کیا۔ چیزوں کی خریداری شروع ہوگئی، کپڑے لتے سے دال، چاول، مسالا، گھی وغیرہ تک خرید کر محمد معظم گھر میں بھیجتے اور کریم النسا اس کو سلیقے سے رکھواتیں۔ گھر کی ماما اصیلیں بڑی چور تھیں؛ اس لیے کریم النسا نے قفل لگا کر کنجی اپنے ہاتھ میں رکھی۔ کپڑے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ طرح طرح کے کپڑے، بنت گوکھرو پٹھا چنکی وغیرہ وغیرہ سب خرید ہو کر گھر میں آئی۔ جب چیزیں گھر میں آتیں، بسم اللہ کی ماں کوسنے لگتیں اور کہتیں کہ بسم اللہ اور بسم اللہ کے باپ کے پھول اور چہلم میں خرچ ہوگا اور کپڑا مُلنا (یعنی ملاّ) قرآنی کو ملے گا۔ کریم النسا سے یہ سب سن کر رہا نہ گیا، چپ رہتے رہتے جی الٹنے لگا۔ گھبرا کر بول اٹھیں کہ بھابھی جان، آپ یہ سب کیا واہیات بکا کرتی ہیں۔ بسم اللہ اور بسم اللہ کے باپ کے دشمن کا پھول اور چہلم ہو۔ اتنا سُن کر بسم اللہ کی ماں کہنے لگیں کہ تم ہی کہو کہ یہ نسبت میرے گھر کے لائق تھی۔

کریم النسا: اگر روپیہ نہیں ہے تو کیا ہوا، لڑکا تو اچھا ہے۔

بسم اللہ کی ماں: تم کیا کہتی ہو کہ اچھا ہے، خاک اچھا ہے۔

محمد معظم نے پہلے تو شرعی شادی کا سامان کیا تھا۔ آمدنی کے جو کچھ روپے آئے تھے، اسی سے سب انتظام ہو چکا تھا، اب عرفی شادی کے لیے روپے کی ضرورت ہوئی۔ مہاجن تلاش ہونے لگے۔ موقعے کی کیفیت لے کر دلاّل تمام مہاجنوں کے یہاں پھرنے لگے۔ کوئی پانچ روپے دلاّلی اور دو روپے سیکڑا سود کا پیغام لایا، کسی نے اس میں بکھیڑا پھیلایا اور رقم سلامی کی اس پر بڑھایا۔ الغرض بہ ہزار دقت خرابی و پریشانی مہاجن سے دس ہزار روپے لیے گئے۔ فوراً بسم اللہ کی ماں نے پانچ ہزار روپے اندر منگوا لیے، انتظام شادی کا اب ہاتھ میں بسم اللہ کی ماں کے آیا۔ کریم النسا اوپرا اوپر کا کام کرنے لگیں۔ بے انتظامی کے سبب سے چیزوں کی بربادی ہونے لگی۔ ماما اصیلوں کے ہاتھوں سے چیزیں تلف ہونے لگیں، چوری کا بازار گرم ہوا۔ کریم النسا کی ساری محنت اکارت گئی۔ وہ دیکھتی تھی اور افسوس کر رہ جاتی تھی، کرتی کیا؟ اب تو انتظام رہانہ حفاظت، سارا کارخانہ ہوڑ لو ہو گیا۔ محمد معظم نے برات کی تاریخ مقرر کرنی چاہی تو گھر میں بسم اللہ کی ماں نے کہلا بھیجا کہ اس میں اور کسی کو تاریخ مقرر کرنے کا حق نہیں ہے۔ نہیں معلوم نیک یا بد تاریخ مقرر ہو جائے۔ برہمن کو بلا کر تاریخ خوب دیکھ سن کر مقرر کی جائے۔ ہر چند محمد معظم نے سمجھایا کہ مولوی صاحب سے میں نے سعد و نحس دریافت کر لیا ہے۔ لیکن کون سنتا ہے۔ ایک ماما جا کر محلّے کے پانڈے کو دروازے پر بُلا لائی۔ گھر میں سے سوپ میں اروا چاول پانچ سیر، پانچ گرہ ہلدی، تھوڑی دوب، پانچ روپے پروتا آیا۔

پانڈا: ہم بہت مدّت سے آسرا لگائے ہوئے ہیں، پرمیشر نے دن دکھایا ہے، اے ہی پر سو روپیہ لے جا کے کھا

چکے ہیں، ہماری برت ہے، پانچ روپیہ ہم نہیں لیں گے۔

غرض ردوکد سے پچاس روپے پر تصفیہ پایا۔ پانڈے جی نے پترا دیکھ کر اور خوب بچار کر کے اکیسویں کو خواجہ معین الدین کی برات کی تاریخ ٹھہرائی۔ جب برات کی تاریخ مقرر ہوگئی تو اسی کے ساتھ مانجھے کا دن بھی مقرر ہوگیا۔ بسم اللہ کی ماں نے چاہا تھا کہ شہر کے دستور کے مطابق سانچق ومہندی کے لیے بھی الگ الگ دن مقرر کیے جائیں۔ مگر جب یہ بات منظور نہیں ہوئی تو بسم اللہ کی ماں نے بھی کچھ زیادہ بکھیڑا نہیں کیا اور یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مانجھا جائے۔ اب تیاری مانجھے کی ہونے لگی۔ جمعہ کے دن تین بجے تک گھر میں بسم اللہ کی ماں کے ہاں مہمانوں کا ہجوم ہوگیا۔ گانے والیاں آئیں، گانا بجانا شروع ہوا، تین بجے لڑکی مانجھے بٹھائی گئی۔ بسم اللہ جس قدر زیور پہنے تھی سب اتار دیے گئے۔ یہاں تک کہ چوڑیاں بھی اتار دی گئیں اور سات سہاگنوں نے انھیں اپنے اپنے گال سے چھوا کر بسم اللہ کو لگایا، داہنے ہاتھ میں کنگنا باندھا گیا۔ جس وقت یہاں رسمیں ہو رہی تھیں، زنانے دروازے پر آدمی پکار رہے تھے کہ مانجھے کی چیزیں باہر بھیج دو، دیر ہوئی جاتی ہے۔ مگر گانے بجانے کا اس قدر گھر میں غُل تھا کہ کسی کے کان تک پکارنے والے کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔ بڑی دیر ہوگئی اور یہ لوگ چلا چلا کر تھک گئے۔ جب گانا موقوف ہوا تو باہر کے پکارنے والے کی آواز سن کر ایک ماما چلاتی ہوئی دوڑی ''اے لوگو چپ رہو کتنا غُل ہے، باہر کے لوگ کشتی مانگ رہے ہیں، میاں دروازے پر کھڑے ہیں، اے لوگو چپ بھی رہو۔'' اس ماما کے چلانے سے غُل کسی قدر کم ہوا تو معلوم ہوا کہ باہر سمدھیانے جانے کی چیزیں مانگی جاتی ہیں۔ ایک چاندی کی چوکی، کشتیاں، خوانچے تیار ہوئے تھے۔ وہ سب باہر جانے لگے، ایک کشتی میں دولھا کے لیے مانجھے کا جوڑا تھا، زرد رنگ کا انگرکھا، مشروع کا پایجامہ، زرد کرتا، سرخ رنگ کا رومال جس کے چاروں طرف گوٹا لگا ہوا، زری کی ٹوپی، زرکا جوتا بھاری کام کا، یہ سب چیزیں ایک کشتی میں تھیں اور پھول، چنگیر، طرہ، بدھی اور ہار تھے۔ یہ سب چیزیں نہایت عمدہ تورہ پوش سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ دوسری کشتی میں ایک تھالی چاندی کی، اس تھالی میں سات پینڈیاں، اس میں ایک زرد رنگ کا کنگنا تھا۔ کچھ کارچوبی کا کام کیا ہوا جو اسپندورا دے کر بنایا گیا تھا اور اسی کشتی میں ایک دوسری تھالی میں سات بیڑے پان کے ورق نقرہ لگے ہوئے، اور ایک کپی میں تیل چنبیلی کا جس کے منھ پر سرخ کپڑا گوٹہ لگا ہوا بندھا تھا۔ یہ سب چیزیں رکھ کر ایک تورہ پوش کشتی پر ڈال دیا۔ اس کے سوا کچھ خوانچے اور تھے جس میں گیارہ پسیری پینڈیاں تھیں اور بہت سے خوانچے خالی تھے، ان میں تھوڑا چور صرف مٹھائیوں کا ڈال دیا تھا، یہ سب زینت کے لیے تھے۔ باجے کے ساتھ مانجھا روانہ ہوا اور باجے بھی ایسے مہیب آواز کے جس سے دل دھڑک جائے اور کانوں کو تکلیف پہنچے۔ یکّے گاڑی کے گھوڑوں کی قطار، اونٹ اور ہاتھی وغیرہ جو کرائے پر یا منگنی منگائے گئے تھے، سب ساتھ تھے، سب کے پیچھے مانجھے کی چوکی کشتیاں اور خوانچے متعدد مگر اکثر خالی، اگر خوان پوش کہیں (ہوا سے) اڑا تو حقیقت کھل گئی، مانجھے کے ساتھ کچھ شریف لوگ بھی تھے، اس تکلّف سے مانجھا روانہ ہوا اور اس کے بعد سواریاں روانہ ہونے لگیں۔ مکان محمد اعظم کا قریب تھا، سواریاں جلد جلد اتر گئیں اور مانجھا کہیں شام کے وقت تمام سڑک اور گلیوں سے گردش کرتا ہوا پہنچا۔

شہزادی: ہم تو پڑھنے کو تعلیم سمجھتے تھے۔ آج ہم کو نئی بات معلوم ہوئی کہ پڑھنا اور چیز اور تعلیم اور چیز ہے۔

اشرف النسا: تعلیم میں پڑھنا تو داخل ہے مگر پڑھنے کے ساتھ ادب، تمیز، اخلاق کی باتوں کی تعلیم نہ ہو تو پڑھنا بے کار ہے۔ جس طرح لاڈلی نے کلام اللہ و مسئلہ کی کتابیں پڑھیں، اب نماز تک نہیں پڑھتی ہیں، دل بہلانے کے لیے قصے کہانی کی کتابیں پڑھتی ہیں۔ ان کو لکھنے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

شہزادی: بھابھی، آپ نے سنا ہے کہ اسی شہر میں کوئی مکتب لڑکیوں کے پڑھنے کا ہے جس میں پانچ چھے برس کی لڑکیاں چھے مہینے میں قرآن شریف خاصی طرح سے پڑھنے لگتی ہیں۔

اشرف النسا: ہم کو خوب معلوم ہے۔ حکیم احمد حسین صاحب نے یہ مکتب کھولا ہے، ان کو لوگ صوفی صاحب کہتے ہیں۔ میرے محلّے کی بھی لڑکیاں اس مکتب میں پڑھنے جاتی ہیں۔

لاڈلی: اب کوئی وہاں اسکول بھی لڑکیوں کا بنے گا، لڑکیاں انگریزی بھی پڑھیں گی۔

اشرف النسا: کوئی علم ہو، اس کے حاصل کرنے میں بُرائی نہیں ہے لیکن ہم لوگوں کے یہاں لڑکیوں کو عربی، فارسی، اردو کتابیں کب پڑھائی جاتی ہیں؟ جس سے خدا اور رسول کے احکام معلوم ہوں، بدعت، فضول خرچ، کفر شرک سے بچیں، دین ایمان کی باتیں سیکھیں۔ اس مکتب کے پڑھنے میں عیب کیا ہے؟ جو تم یوں کہتی ہو، اس میں پہلے تو کلام اللہ صحیح پڑھایا جاتا ہے۔

لاڈلی: لڑکیوں کا مدرسہ میں جانا تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس روز مبارک چچا بھی تو کہتے تھے کہ ہم کو لڑکیوں کا پڑھنا مدرسہ میں جا کر بُرا معلوم ہوتا ہے، زیادہ پڑھ کر کیا کریں گی؟

اشرف النسا: تم کو اس مکتب کا حال تو معلوم نہیں ہے، جھٹ پٹ اعتراض کرنے لگیں۔ وہاں چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی پڑھتے ہیں اور لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں۔ لڑکوں کے پڑھنے کے واسطے مکان الگ ہے اور لڑکیاں زنانے میں پڑھتی ہیں۔ حکیم صاحب کی بی بی پڑھاتی ہیں۔ وہاں پانچ برس کا لڑکا بھی جانے نہیں پاتا۔ خود حکیم صاحب بھی جو ایک مقدّس اور سن رسیدہ آدمی ہیں، وہ لڑکیوں کے پڑھنے میں نگرانی کرتے ہیں۔ اگر وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں پڑھتی ہیں تو کون سی برائی ہے؟ اور مبارک چچا کی بات رہنے دو، وہ کیوں نہیں برخلاف ہوں گے؟ اگر ان کی بی بی پڑھی لکھی ہوتیں تب ہم دیکھتے کہ وہ دوسروں کو پڑھنے سے روکتے۔

لاڈلی: ایسے ہی پڑھانا ہے تو لوگ آتو رکھ کر کیوں نہ پڑھاویں؟ مکتب میں بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟

اشرف النسا: فقط لکھنا پڑھنا ہی تو لڑکیوں کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ اچھی بات بھی تو سیکھنا چاہیے۔ صوفی صاحب کے مکتب میں پڑھنے کے علاوہ اچھی باتوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے، (اسی کو تربیت کہتے ہیں)۔ جو لڑکی مکتب میں پڑھنے جاتی ہے تو پہلا حکم مولوی صاحب موصوف کا یہ ہوتا ہے کہ لمبی آستین کا کرتا، سنگین کپڑے کا دوپٹا، چھوٹے پایے کا پائجامہ پہنو، سر میں قصابہ باندھ کر مکتب آؤ۔ نماز کی تعلیم ہوتی ہے، ادب، قاعدہ، تمیز سکھایا جاتا ہے۔ جن لڑکیوں نے صوفی صاحب سے پڑھا ہے، ایسی شایستہ ہوگئی ہیں کہ ہم کیا بیان کریں۔ دو روپے مہینے کی آتو سے گھر میں تعلیم نہیں ہو سکتی ہے کیوں کہ آتو کو خود کچھ پڑھنا تو آتا ہی نہیں ہے سوائے قرآن شریف کے، وہ بھی غلط، اور پڑھانا کیا آوے گا؟ اگر کسی گھر میں

آتو رکھی بھی جاتی ہے تو دو روپے مہینے سے زیادہ نہیں مل سکتا، پڑھنا تو آتا ہی نہیں، لڑکی کو رات دن بٹھائے رہتی ہیں، جو کچھ ذہن حافظہ ہے، وہ بھی بیٹھے بیٹھے کند ہو جاتا ہے۔ لڑکی کو حکم ہے کہ طوطا مینا کی طرح رٹا کرو۔ برسوں میں لیاقت نہیں ہوتی ہے۔ اس قدر ماں کو آرام ہوتا ہے کہ ماما، باورچن، چاول دال زیادہ چُراتی تھی، جب سے آتو جی نوکر ہوئیں، وہ اپنے سامنے جنس تُلوا دیتی ہیں، تب سے چوری نہیں ہوتی ہے۔ لڑکی پڑھے یا نہ پڑھے آتو جی کی خاطر ہوتی ہے۔ دل میں آتو جی خدا سے دعا مانگتی ہیں کہ یا اللہ قرآن جلدی ختم نہ ہو، میری نوکری تو رہے۔ اور ظاہر میں لڑکی پر غصہ کرتی ہیں کہ کیسی لڑکی ہے؟ پڑھتی نہیں۔ آتو جی کے ساتھ لڑکیاں اور بھی لڑائی جھگڑا سیکھتی ہیں اور یہی عادت لڑائی کی رہ جاتی ہے۔ لڑکیوں کی بے تعلیمی کے سبب سے لڑکے بھی پوری تعلیم پا نہیں سکتے ہیں۔

ابا جان کہتے تھے کہ انگریزوں کی عورتیں پڑھی لکھی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں، اس وجہ سے ان کے لڑکے اور لڑکیاں سب تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ بے تعلیم لوگ اپنی زندگی کے دن بڑی مصیبت سے پورے کرتے ہیں۔ اس لیے میرا ارادہ بہت دنوں کا تھا کہ میں ایک کتاب ایسی لکھوں جو ظاہر میں بہ طور سچّے قصّے کے ہو اور درحقیقت اس میں اچھی اچھی نصیحتیں ہوں اور جن بُری رسموں اور فضول باتوں کی وجہ سے عورتیں بے کار روپے برباد کرتی ہیں، خدا کی گنہگار ہوتی ہیں، مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں، ان بُری رسموں کی پوری پوری تصویر اتاروں تا کہ اس کتاب کے پڑھنے سے میری ہم جنسوں کو دینی، دنیاوی فائدے پہنچیں، اور خدا سے میری یہ التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول خاص و عام فرمائے۔

لفظ و معنی

تردّد	-	فکر، اندیشہ
بہ سروچشم بجالانا	-	بغیر حجّت اور ہچکچاہٹ کے کسی بات/حکم کا مان لینا
بنت	-	ایک طرح کی توئی کا نام جس میں گوکھرو سلما ستارا لگا ہوا ہوتا ہے۔
توئی	-	ایک قسم کے کپڑے پر بُنی ہوئی بیل جو عورتیں دوپٹوں اور رضائیوں وغیرہ پر لگاتی ہیں۔
گوکھرو	-	کان کا ایک زیور، سونے چاندی کے تاروں کا موڑا ہوا گوٹا
پٹھا	-	ایک طرح کا زرباف جس کو عورتیں دوپٹوں پائجاموں پر گرداگرد لگا لیتی ہیں۔
چٹکی	-	گوٹے اور لچکے کو موڑ کر جو کنگرے دار بناتے ہیں، اسے چٹکی کہتے ہیں۔
ماما اصیل	-	لونڈی، باندی، کنیز
قفل	-	تالا
پھول	-	مسلمان مُردوں کے تیسرے یا پانچویں دن کا فاتحہ جس میں پھول اٹھائے جاتے ہیں، سوم
جی الٹنا	-	دل گھبرانا، دل پریشان ہونا
شرعی	-	مذہبی اصول اور حکم

عرفی شادی – دھوم دھڑاکے کی شادی

بکھیڑا پھیلانا – جھگڑا پھیلانا، الجھاو پیدا کرنا

رقمِ سلامی – کسی خدمت کے عوض لیا جانے والا پیسہ

تلف ہونا – برباد ہونا

اکارت ہونا – برباد ہونا

ہوڑلو ہونا – بکھر جانا

سعد – مبارک، نیک

نحس – نامبارک، منحوس

پروتا – آٹا، چاول، گڑ، ہلدی وغیرہ جو کسی تقریب پر خدمتی مکین کو دیا جاتا ہے

پرمیشر – خدا، بھگوان

رَدّوکدّ – حجّت، مباحثہ

مانجھے کا دن – جس دن دولھا دولھن کو زرد رنگ کا جوڑا مائیوں میں پہنایا جاتا ہے، اسے مانجھے کا دن کہتے ہیں۔

ساچق کا دن – شادی سے ایک دن پہلے کچھ ٹھلیاں، شیرینی اور دولھن کا لباس وغیرہ دولھا کے گھر سے دولھن کے گھر لے جاتے ہیں، اسے ساچق یا ساچق کا دن کہتے ہیں۔

مہندی – ایک رسم کا نام جس میں دولھا کے گھر سے دولھن کے یہاں مہندی کے ساتھ سنگار کی اور چیزیں بھیجتے ہیں۔

کشتی – ایک مستطیل لکڑی کا تختہ جس کے چاروں طرف چار لکڑیاں جڑی ہوتی ہیں۔ یہ ظرف پیالے چننے یا پوشاک رکھنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

خوانچہ – چھوٹا خوان یا سینی

گوٹا – کناری، چاندی یا سونے کے تاروں کا بُنا ہوا

چنگیر – پھولوں کی ٹوکری، خوان کا سرپوش

طرہ – وہ پھندنا جو پگڑی کے اوپر لگاتے ہیں۔

بدھی – پھولوں کا ہار

تورہ – مختلف کھانوں کے خوان

پینڈی – ایک قسم کا لڈو

کنگنا – وہ کلاوے کا ڈورا جو پھیروں کے وقت دولھا کی داہنی کلائی اور دولھن کی بائیں کلائی میں باندھا جاتا ہے۔

کارچوبی – زردوزی، کشیدہ کاری

مشروع - ایک طرح کا کپڑا
بدعت - دین میں کوئی نئی بات نکالنا
شرک - خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک جاننا، کفر
سن رسیدہ - بوڑھا، عمر دراز، پہنچا ہوا
آتو - گھر پر پڑھانے والا/ والی، ٹیوٹر
سنگین کپڑا - دبیز کپڑا، ٹھوک کر بنا ہوا کپڑا
موصوف - وہ جس کی تعریف کی جائے
قصابہ - وہ رومال جو عورتیں سر میں باندھتی ہیں
شایستہ - مہذّب، باتمیز

آپ نے پڑھا

- رشیدۃ النسا اردو کی پہلی خاتون ناول نگار ہیں۔ ان کا ناول ''اصلاح النسا'' 1894ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کے دو ناولوں ''مراۃ العروس'' (1869ء) اور ''بنات النعش'' (1873ء)، سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔ یہ ناول بھی مسلمان عورتوں کی اصلاح کی خاطر لکھا گیا۔ اس کا یہ پہلو سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے کہ اس میں پہلی بار کسی خاتون نے گھر کے اندر ہونے والے معاملوں کی آنکھوں دیکھی بات لکھی۔
- انیسویں صدی کے اواخر میں مسلم گھرانوں کے جو معاشرتی احوال تھے اور اُن گھرانوں کی عورتوں کو جن مسائل کا سامنا تھا، ان کی پیش کش کے لیے بعض واقعات کا اس ناول میں مصنفہ نے انتخاب کیا ہے۔ ان گھروں میں مذہب کے تئیں عورتوں کے فرسودہ تصوّرات اور مشرکانہ اعمال، تقریبِ شادی میں ان کے حد درجہ بے ہودہ اور خرچیلے رسومات اور تعلیم کی طرف سے بے توجہی جیسے امور سے یہ ناول مکمل ہوا ہے۔
- رشیدۃ النسا روشن خیال خاتون تھیں۔ اپنے زمانے کے مسلم گھرانوں میں پھیلی ہوئی بُری رسموں اور رواجوں کی وہ مخالف تھیں۔ توہم پرستی، ٹونے ٹوٹکے اور غلط قسم کے عقیدوں کے خلاف اپنے ناول 'اصلاح النسا' کے ذریعہ انھوں نے آواز اُٹھائی۔ اُنھوں نے اُس زمانے میں یہ ناول لکھا جب ناول لکھنا تو کجا، اس کا پڑھنا بھی مسلم عورتوں کے لیے حد درجہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر اس ناول میں زور دیا۔
- ناول کے پیشِ نظر اقتباس میں مکالمے خاصے طویل ہیں۔ ان سے کرداروں کی شخصیت پوری طرح پہچان میں آجاتی ہے۔ مرد، عورت، مالک، غلام، بی بی وغیرہ کی زبان سے جو مکالمے پیش کیے گئے ہیں، وہ حد درجہ فطری ہیں اور ان کرداروں کی سماجی حیثیتوں کے عین مطابق ہیں۔ ناول کی زبان آسان اور سلیس ہے۔ مسلم گھرانے کی روزمرّہ کی گفتگو کو اظہار میں اپنایا گیا ہے۔ رشیدۃ النسا نے عورتوں کی بامحاورہ زبان استعمال

کی ہے۔ان کی اس تحریر سے آج سے تقریباً سوا سو برس قبل کی زبان اور سماجی احوال کا پتا چلتا ہے۔

- ڈپٹی نذیر احمد کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہو کر مسلمان عورتوں کی جہالت، توہم پرستی اور شادی بیاہ کی تباہ کن رسموں کے خلاف قلمی جہاد کا آغاز پٹنہ شہر کی ایک خاتون رشیدۃ النسا نے کتاب لکھ کر کیا جو کہ ''مراۃ العروس'' اور ''توبتہ النصوح'' کی طرح دوامی افادیت کا حامل ہے۔ چوں کہ اس کتاب میں عورتوں کی اصلاح مقصود تھی، اس لیے مصنفہ نے اس کا نام ''اصلاح النسا'' رکھا۔
- رشیدۃ النسا اردو کی پہلی خاتون ناول نگار ہیں۔ انھوں نے یہ ناول 1881ء میں لکھ لیا تھا۔ تیرہ برس تک اس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ جب ان کے صاحب زادے محمد سلیمان لندن سے بیرسٹری کی سند لے کر واپس لوٹے تو انھیں اس مسودے کی اشاعت کا خیال آیا اور پھر یہ کتابی صورت میں 1894ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس زمانے کی رسم کے مطابق مصنفہ کے نام کی جگہ ''والدہ بیرسٹر محمد سلیمان بار ایٹ لا'' لکھا گیا۔
- رشیدۃ النسا بہار کے ایسے خاندان میں پیدا ہوئیں جو ہندستان کے گِنے چُنے عالم و فاضل گھرانوں میں سے تھا۔ وہ صدرِ اعلیٰ (چیف جسٹس) شمس العلما خان بہادر وحید الدین کی بیٹی تھیں اور صاحبِ دیوان شاعرہ نثار فاطمہ کبریٰ کی ماں تھیں۔ لیکن رشیدۃ النسا کو اس بات کا رنج تھا کہ عورتیں اس وقت تعلیم سے محروم تھیں۔
- پردہ نشیں رشیدۃ النسا نے اس زمانے میں یہ ناول لکھا جب عورتوں کا لکھنا تو دور، پڑھنا بھی مشکل تھا۔ وہ اپنے ناول میں لڑکیوں کے لیے کھُلنے والے اسکول، انگریزی تعلیم اور طب کی تعلیم کی حمایت کرتی ہیں۔ وہ لڑکیوں کے گھر سے نکل کر اسکول جانے کے فوائد بھی بیان کرتی ہیں۔

اس ناول میں

- جہالت کیسا عذاب ہے، اس کا نقشہ اس ناول میں انھوں نے بہ خوبی کھینچا ہے۔ بسم اللہ اور اس کی ماں چوں کہ جاہل ہیں، اس لیے ذاتی زندگی میں بھی ناکام اور بے چین ہیں۔ عورت مرد کی مساوات اور برابری کے مواقع پر بھی وہ روشنی ڈالتی ہیں۔ تعلیم کی اہمیت اُن کے نزدیک دولت سے زیادہ ہے۔ ''علم بڑی دولت ہے۔ روپیہ پیسہ اس کے سامنے کچھ نہیں ہے''۔ ڈائن جیسے خطرناک مسئلے پر بھی وہ قلم اُٹھاتی ہیں۔
- کردار کے لحاظ سے بسم اللہ کی ماں، بسم اللہ، رحمت النسا اور اشرف النسا کی عمدہ مثالیں اس ناول میں موجود ہیں۔ وزیرن کا کردار جو منفی ہے، سب سے زوردار ہے۔ وہ ضعیف الاعتقاد عورتوں کو بے وقوف بنا کر خوب کمائی کرتی ہے۔ وزیرن کا یہ کاروبار محمد اعظم کے خاندان کی دوسری پیڑھی تک پروان چڑھا۔ لیکن تیسری نسل میں ایک پڑھی لکھی خاتون سردار دولھن کے آجانے سے وزیرن کی اصلیت سب پر کُھل جاتی ہے۔

آپ بتائیے

1- 'اصلاح النسا' کی مصنفہ کا تعلق کس زمانے سے ہے؟
2- کیا 'اصلاح النسا' اردو کا پہلا ناول ہے جسے کسی خاتون نے مسلم عورتوں کی اصلاح کے لیے لکھا؟
3- 'اصلاح النسا' کا سنہ اشاعت کیا ہے؟
4- کس نے لڑکیوں کا مکتب قائم کیا؟
5- تعلیم کے مقصد سے متعلق کس کردار کے مکالمے ہیں؟
6- محمد معظم نے بسم اللہ کی شادی کا انتظام کریم النسا کے ہاتھ میں کیوں دیا؟
7- 1894ء میں مصنفہ کا نام ناول پر کیوں نہیں لکھا گیا تھا؟
8- اس ناول کا نام ''اصلاح النسا'' کیوں رکھا گیا؟

مختصر گفتگو

1- کریم النسا کے متعلق پانچ جملے درج کیجیے۔
2- بسم اللہ کی ماں کے کردار سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے؟
3- بسم اللہ کی شادی کے موقع پر کیا کیا رسمیں ادا کی گئیں؟
4- توہم پرستی کیا ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال شاملِ نصاب حصّے سے دیجیے؟
5- مانجھا کیا ہوتا ہے؟ اس میں کیا کیا رسمیں کی جاتی ہیں؟ دولھا کے لیے مانجھے کا کیا سامان بھیجا گیا؟

تفصیلی گفتگو

1- ناول ''اصلاح النسا'' کے شاملِ نصاب حصّے کا خلاصہ تحریر کریں؟
2- شاملِ نصاب حصّے کی روشنی میں ناول نگار 'رشیدۃ النسا' کی کردار نگاری کی صلاحیت واضح کیجیے؟
3- کریم النسا اور بسم اللہ کی ماں کے کرداروں کا موازنہ کیجیے؟
4- ''ہم تو پڑھنے کو تعلیم سمجھتے تھے۔ آج ہم کو نئی بات معلوم ہوئی کہ پڑھنا اور چیز اور تعلیم اور چیز ہے۔''
اس جملے کی وضاحت کیجیے اور کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟ دلیل دیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1- انیسویں صدی کے جن ناول نگاروں کے نام آپ کو معلوم ہوں، اسکول کی لائبریری سے اُن کی کتابیں تلاش کیجیے اور ان کی فہرست بنائیے۔
2- خاتون افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں کی فہرست تیار کیجیے اور ان میں سے پانچ کے حالاتِ زندگی لکھیے۔
3- چند دوسری خواتین ناول نویسوں کی فہرست تیار کیجیے اور ان کی دس کتابوں کے نام لکھیے؟